نو بخت تماشائیؔ

عہد آفریں بخاری

دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو قیادت و سیادت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں انہیں کافی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ تب کہیں جا کر وہ قیادت کے کسی زینے پر قدم دھر سکتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ قیادت و سیادت کا سنہری چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے پیدائشی قائدوں کو بھی قیادت پر قبضہ جمائے رکھنے کے لئے خاصی جدوجہد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں وہ موروثی قیادت کو بحالہ قائم رکھ سکتے ہیں۔ یا اسے تھوڑا بہت آگے بڑھا سکتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں قیادت و سیادت کی مطلق خواہش نہیں ہوتی۔ مگر قیادت خود ان کے آگے پیچھے پھرتی ہے۔ اور سیادت کا تاج زمانہ ان کے سر پر رکھ دیتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ تمام عمر اپنے آپ کو نہ قائد تصور کرتے ہیں اور نہ اپنی سیادت پر کبھی ناز و تبحر کو جائز سمجھتے ہیں۔ زمانہ بھر کے عام قائدین پر عموماً اور پاک و ہند کے قائدین پر خصوصاً اگر آپ نظر ڈالیں تو ان میں اکثریت یا پہلی قسم میں شامل ہے یا دوسری قسم میں۔ تیسری قسم کے لوگ خال خال کہیں نظر آتے ہیں۔

گاندھی جی غیر منقسم ہندوستان کے بہت بڑے لیڈر تھے۔ اور انہیں لیڈری کا شوق بھی تھا۔ مگر قیادت کو حاصل کرنے کے لئے انہیں پہلے جنوبی افریقہ میں خاصی جدوجہد کرنا پڑی اور اس کے بعد ہندوستان میں انتہائی پر خطر حالات کا سامنا کرنا پڑا تب کہیں جا کر وہ اپنی قیادت کی پگڑی سنبھال سکے۔ بارہا اس سلسلے میں انہیں جان کی بازی بھی لگانا پڑی۔ مرن برت رکھنے پڑے مگر پھر بھی وہ حاصل کردہ سیادت کو آخر وقت تک قائم نہ رکھ سکے اور اپنے ہی ایک ہم قوم کے ہاتھوں سے مارے گئے۔

گاندھی جی کے بعد غیر منقسم ہندوستان میں جواہر لعل نہرو کا درجہ تھا۔ یہ دوسرے قسم کے قائدین میں سے تھے۔ ان کے والد موتی لعل نہرو بہت بڑے سرمایہ دار اور بہت بڑے قائد تھے۔ اور وہ قیادت جواہر لعل کو ورثے میں ملی مگر اس کو اپنے پاس رکھنے کے لئے انہیں جس قسم کی کوششیں کرنا پڑیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ پیرس و لندن کے دھلے ہوئے کپڑے پہننے والے جواہر لعل کو کھادی کا لباس عمر بھر کے لئے قبول کرنا پڑا۔ اور ہر وقت جیل جانے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرنا پڑا تقسیم کے بعد گو وہ ہندوستان کے وزیر اعظم ہیں مگر اس وزارت عظمیٰ کو سنبھالنے کے لئے انہیں جس قسم کے پاپڑ بیلنے پڑے وہ بھی چشم بینا سے اوجھل نہیں۔ جواہر لعل جیسے سلیم الطبع آدمی کو مینن جیسے کج بین و کج فہم آدمی کا روپ دھارنا پڑا۔ تو صرف اسی قیادت کو سنبھالنے کے لئے۔ اور شیخ عبداللہ کو اپنی اخوت و دوستی کے باوجود جیل بھیجنا پڑا انہیں سازشوں کے جھوٹے مقدمات میں پھنسانا پڑا تو صرف اسی قیادت کو سنبھالنے کے لئے۔ وہ جواہر لعل جس کا خاندان اب تک فارسی زبان سے بے بہرہ نہیں اور جس کے گھر میں ہندی اب تک ایک نامانوس زبان ہے اسے اگر اردو زبان کی حمایت سے دست کش ہونا پڑا تو صرف اس حاصل شدہ قیادت کو سنبھالنے کی خاطر جبل پور جیسے فسادات سے صرف چشم پوشی نہیں بلکہ اس جیسے فسادات کی حمایت میں بیان دینا اور اس جیسے

فسادات بپا کرا دینا صرف اسی قیادت کو سنبھالنے ہی کی خاطر ہے۔

مسلمان قائدین میں سے مولانا محمد علی، شوکت علی اور مولانا ظفر علی خان وغیرہ بہت سے اصحاب پہلی قسم کے قائدین میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد خواجہ ناظم الدین، اور خان لیاقت علی خان دوسری قسم کے رہنماؤں میں شمار کئے جائیں گے جن میں سے مولانا آزاد کو اپنی قیادت کو قائم رکھنے کے لئے پوری قوم سے ہاتھ دھونا پڑے۔ اور اتنی قربانی دے کر یہ ماننا پڑے گا کہ وہ اپنی کشتیٔ قیادت کو پار لے گئے۔ خواجہ صاحب کو جدوجہد کے باوجود کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اور وہ میدان چھوڑ بھاگے۔ قائد ملت کو گاندھی جی کی طرح اپنی قوم کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

تیسری قسم کے قائدین میں صرف دو تین نام ہی لئے جا سکتے ہیں۔ علامہ اقبال امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور چودھری افضل حق مرحوم۔ رہے قائد اعظم محمد علی جناح تو ان کی زندگی کے دو دور ہیں پہلے دور میں جب وہ کانگرس کے رہنماؤں میں شامل تھے وہ پہلی یا دوسری قسم کے قائدین میں شامل تھے اور دوسرے دور میں جب وہ تحریک پاکستان کے قائد تھے یقیناً تیسری قسم کے قائدین میں شامل ہی نہیں تھے بلکہ وہ ان قائدین کے بھی قائد تھے اور حقیقی معنوں میں اگر قائد کے لفظ کا اطلاق کسی پر کیا جاسکتا ہے تو صرف ان تیسرے قسم کے قائدین پر ہی کیا جاسکتا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی شخصیتوں کو عہد آفرین شخصیت کہا جاتا ہے۔ گویا زمانے نے انہیں نہیں بنایا بلکہ وہ زمانے کو بنانے والے ہیں اور عہد آفریں شخصیتوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اپنے پرائے دوست دشمن سب ہی ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ اپنے محبت اور پیار کی وجہ سے ان کی خصوصیات کو اپناتے ہیں اور اعدا بر بنائے رشک و حسد ان کی خصوصیات اپنے اندر اس لئے پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بھی انہی کی طرح محبوب و محترم خلائق بن جائیں۔

علامہ اقبال ایک پیغامی شاعر تھے۔ اور انہوں نے قوم کو خودی اور صلاحیت کا پیغام دیا۔ انہوں نے قوم کو اسلامیت اور سادگی کا سبق پڑھایا اب ان کے بعد جو شاعر بھی پیدا ہوا وہ عنوان بدل کر قوم کو کوئی نہ کوئی پیغام ضرور دیتا ہے۔ اسے بھی شاعر انقلاب، ترجمان حقیقت یا نباض فطرت کے خطابات سے یاد کیا جائے اور اگر بد قسمتی سے وہ کسی انجمن ستائش باہمی کا ممبر نہیں اور دوسرے اس کی تعریف نہیں کرتے تو وہ خود اپنی تعریف کرتا ہے۔ خود ہی اپنے آپ کو مصور حقیقت، لسان عبرت، جہان غیرت یا شاعر شباب و انقلاب کہنے لگ جاتا ہے۔ علامہ نے جس قسم کی ترکیبیں اپنی بات سمجھانے کے لئے ضرورتاً ایجاد فرمائیں یا تو وہ انہیں کو مستعار لے کر اپنی اغراض میں استعمال کرتا ہے یا اسی جیسی کچھ موضوع اور کچھ مہمل تراکیب خود ایجاد کرتا ہے تاکہ وہ بھی علاماؤں میں گنا جاسکے۔

یہی صورت ہمارے عہد آفریں بخاری کی تھی۔ نہ وہ کسی لیڈر کے گھر پیدا ہوئے نہ کسی سرمایہ دار کے گھر۔ نہ انہیں لیڈر بننے کا شوق تھا نہ قائد بننے کا۔ اپنے آپ کو ہمیشہ اسلام کا ایک ادنیٰ طالب علم اور خادم شمار کرتے رہے نہ انہیں اپنی خطابت پر ناز تھا نہ قرآن دانی پر اور سیاست کی گاڑی کا پہیہ بننا تو وہ کبھی بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ابھی وہ طالب علم ہی تھے کہ قیادت کا تاج زبردستی ان کے سر پر رکھ دیا گیا۔ مگر یہ تاج تو الگ رہا

انہوں نے عمامہ باندھنا بھی اس لئے چھوڑ دیا کہ غلام کو عمامہ باندھنے کا کیا حق ہے عمامہ ایک آزاد و خود مختار مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ اور یہ تب باندھا جاسکتا ہے جب آدمی ظاہری اور ذہنی ہر طرح کی غلامی سے آزاد ہو۔

بخاری نے جب میدان خدمت و سیاست میں قدم رکھا تو قیادت کے ہوا خواہوں نے بہت سے زینے طے کر لئے تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ قیادت کے یہ ہوا خواہ سب کے سب خلوص سے عاری تھے۔ حاشا و کلا ایسا ہر گز نہیں تھا۔ ان میں بہت سے نیک نیت بھی تھے۔ مگر جہاں ان میں نیک نیتی اور نیک عملی تھی وہاں یہ انسانی کمزوری بھی کہ میدان قیادت میں لوگ ہماری امامت کو تسلیم کر لیں۔ بنا بریں ان میں سے اکثر نے اپنی اپنی قیادت کے لئے ایک ایسا حلقہ اثر بنا رکھا تھا جس میں ان کی امامت مُسلّم تھی اور وہ اس میدان کے اس سرے سے اس سرے تک کوس لمن الملک بجا رہے تھے۔

بخاری جب میدان عمل میں آئے اور کچھ ہی دنوں میں پرانے پرانے شاطروں کو پیچھے چھوڑ گئے تو کسی نے نیک نیتی سے اور کسی نے بدنیتی سے ان کا دامن پکڑ کر پیچھے کو گھسیٹنے کی کوشش کی مگر اس کھینچا تانی میں جب معلوم ہوا کہ وہ حریف مرتبہ نہیں بلکہ حریف بدلہ ہیں تو سب نے اپنی قبائے قیادت میں اس سے گل بوٹے بنوانے شروع کر دیئے۔ اور وہ باہمہ اور بے ہمہ اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم

بابائنا وامھاتنا

کی سنت پر عمل کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ اسے نہ کسی ابن خلف کی پرواہ تھی نہ کسی بوالحکم کی، حتیٰ کہ جب جنگ آزادی کا سورج نصف النہار پر پہنچا تو صرف بخاری ہی ایسا آدمی تھا جس کی خطابت نے ہر شہری و ہر دیہاتی کے دل میں آزادی کی چنگاری روشن کر دی تھی۔ جس کی شعلہ بیانی نے ہر اہل زبان اور ہر بے زبان کا دل موہ لیا تھا جس کی سحر بیانی نے ہر عاقل اور ہر لایعقل کی نظر بندی کر رکھی تھی اور ہر آدمی کے دل میں صرف ایک ہی سوال باقی رہ گیا تھا۔

انگریز کب ہمارا ملک ہمارے سپرد کر کے یہاں سے جائیں گے؟

بخاری مع اپنے خداداد فن کے ہر اس انجمن کے ساتھ تھے جس کے دل میں آزادی اور توحید و سنت کے جذبات موجزن تھے۔ اور ہر اس مجلس سے الگ جو توحید و سنت سے الگ یا آزادی وطن کے جذبات سے عاری تھی۔ عمر بھر اس کا یہی نظریہ رہا اور عمر بھر اس نے اسی نہج پر اپنی وضع داری قائم رکھی۔

بخاری کے سوز دروں نے ڈھیروں قائد اور انباروں خطیب و واعظ پیدا کئے اور ہمیشہ وہ ان سب کو اچھا کہتا رہا۔ اور اپنے سے دو قدم آگے چلاتا رہا مگر ان سب کا انداز بیان صاف غمازی کرتا ہے کہ وہ بخاری کی تقلید کو اپنے لئے سرمایہ افتخار و اعزاز سمجھتے ہیں ہمارے ہاں وہ خطیب بڑا خوش قسمت سمجھا جاتا ہے اور وہ قائد بڑا خوش نصیب خیال کیا جاتا ہے جسے سامعین میسر آجائیں اور اگر سامعین کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں تک پہنچ جائے تو لوگ خطیب اعظم کہلانے لگتے ہیں۔ مگر بخاری اس انداز کا خطیب تھا کہ اس کے مقلدین کی تعداد سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں اور لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس خطیب کی خطابت کا اندازہ آپ خود کر

لیں جس کی خطابت پر ہزاروں خطیب اپنی انفرادیت قربان کر چکے ہیں۔

جیسے شاعری کے سلسلہ میں اس عہد کے علامہ اقبال کا دور کہا جائے گا تا آنکہ مادر زمانہ کوئی دوسرا اقبال پیدا کرے یا اقبال سے بڑے درجے کے کسی شاعر کو جنم دے۔ اسی طرح خطابت کے سلسلے میں بھی اس عہد کو عہد بخاری ہی کہا جائے گا تا آنکہ کوئی دوسرا بخاری پیدا نہ ہو یا اس سے بھی کوئی آگے قدم بڑھانے والا پیدا نہ ہو۔

عہد اقبال میں جس قدر شعراء ہیں خواہ وہ اقبال کے عقیدت مند ہیں یا مخالف سب کے سب شعوری یا غیر شعوری طور پر اقبال کے مقلد ہیں۔ اسی طرح عہد بخاری کے خطیب خواہ وہ اس کے ہمنوا ہیں یا "بے نوا" سب کے سب شعوری یا غیر شعوری طور پر بخاری کے ہی مقلد ہیں۔

مگر اس سلسلے میں اقبال اور بخاری دونوں مظلوم ہیں کہ ان کو سمجھنے والوں نے اسی طرح سمجھا جس طرح ایک روایتی ہاتھی کو پہچاننے والوں نے پہچانا تھا اور پھر لوگوں کو بتلایا تھا کہ ہاتھی تو چھاج ایسا ہوتا ہے دوسرے نے کہا غلط ہاتھی ایک کھمبے کی مثال ہے وغیرہ اسی طرح اقبال کے بعض مقلدین نے اقبال کی مقبولیت کو اس بات پر محمول کیا کہ ان کے کلام میں فارسی کی اچھی اچھی ترکیبیں موجود ہیں اور انہوں نے اپنی عمر اسی میں بتا دی کہ فارسی کی بہترین ترکیبیں اپنے کلام میں جمع کرتے رہے۔ بعض نے یہ خیال کیا کہ اقبال کی مقبولیت اس شوخی کی بناء پر ہے جو وہ ذات احدیت (جل جلالہ) کے سلسلے میں روا رکھتے ہیں اور ان لوگوں نے اس حد تک بارگاہ خداوندی میں شوخیاں کیں کہ وہ بجائے ہنر کے عیب معلوم ہونے لگیں۔ بعض نے یہ سمجھا کہ شیطان کی تعریف علامہ کے کلام میں موجود ہے۔ لہٰذا انہوں نے ابلیس سے ایسا یارانہ گانٹھا کہ وہ خدا کی بجائے ابلیس کے بندے معلوم ہوتے ہیں۔

بعینہ اسی طرح بعض لوگوں نے بخاری کی مقبولیت کا باعث ان کے حسن صوت کو قرار دیا انہوں نے گا کر دوران خطابت اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔ حتیٰ کہ اگر گلا ساتھ بھی نہ دے تو بھی انہیں گانا ضرور ہوتا بعض نے یہ سمجھا کہ بخاری برمحل اور باموقع نہایت اچھے اچھے شعر پڑھتے ہیں۔ اس لئے ان کی خطابت مقبول خاص و عام ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس قدر اشعار از بر کر لئے کہ ان کی تقریر پر یوسف سلیم چشتی کی شرح بانگ درا یا شرح بال جبریل کا گمان ہونے لگتا ہے۔ بعض نے سمجھا کہ بخاری تاریخی واقعات کو زمانہ حال پر اس طرح چسپاں کر دیتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں نے واقدی اور ابوالفدا کے صفحے کے صفحے یاد کر ڈالے بلکہ نسیم حجازی کے تاریخی ناولوں کے اوراق بھی از بر کر لئے۔

بعض لوگوں کا گمان اس طرف گیا کہ بخاری کی زبان بہت شستہ و رفتہ ہے اور انہوں نے بھی باوجود **الثغ** والکن ہونے کے طلاقت لسانی کے وہ جوہر دکھانے شروع کئے کہ وہ رکیں تو آسمان بھی ان کے دیکھنے کو رک جائے۔ بعض حضرات نے خیال فرمایا کہ بخاری کی تقریر اس لئے پسند کی جاتی ہے کہ اس میں نکات قرآنی بیان ہوتے ہیں۔ او رپھر انہوں نے جو بائے بسم اللہ سے لے کر والناس کی سین تک نکات بیان کرنے شروع کئے تو اللہ بس باقی ہوس!

غرض جس جس طرح کسی نے اپنے خیال کے مطابق بخاری کو سمجھا اسی طرح ان کی تقلید کی اور اپنے آپ کو بخاری بنانا شروع کر دیا۔ مگر بخاری بننا اس قدر آسان ہوتا تو آج بخاری کا اس قدر ماتم نہ ہوتا۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ عہد آفریں شخصیت سے صرف دوست ہی متاثر نہیں ہوتے بلکہ دشمن بھی متاثر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ شعوری طور پر باوجود دشمنی کے بھی قدر دان ہوتے ہیں اور غیر شعوری طور پر ان میں سے کچھ وہ کام کرنے لگتے ہیں جو اس عہد آفریں شخص کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ بخاری کے دو گروہ تو ایسے دشمن تھے کہ جن سے وہ کسی طرح بھی مصالحت کے لئے تیار نہ تھے۔ انگریز اور مرزائی اور دو گروہ ایسے تھے کہ جن سے میدان تبلیغ میں انہیں بارہا ہل من مبارز کہنا پڑا۔ شیعہ اور بریلوی۔ شیعوں اور بریلویوں میں ان کے قدر دان اب بھی موجود ہیں۔ مولانا مظہر علی اظہر، حافظ کفایت حسین، اور مظفر علی شمسی وغیرہ حضرات کو شاہ جی سے جو عقیدت تھی وہ ان حضرات کی تحریروں اور تقریروں سے واضح ہے۔ مولانا ابوالحسنات مرحوم اور صاحبزادہ فیض الحسن صاحب سے انکے تعلقات بھی کچھ پوشیدہ نہیں۔ انگریز سے شاہ جی کو جس قدر نفرت تھی اسی قدر انگریز ان کے قدر دان بھی تھے۔

انگریزوں نے جس طرح ابوالکلام آزاد کے مقابلہ میں کلکتہ میں آزاد سبحانی اور کئی دوسرے آزاد پیدا کر لئے تھے اسی طرح شاہ جی کے مقابلے میں بہت سے خوش گلو اور لچھے دار مقرر تو پیدا کئے جا سکے مگر بخاری کوئی نہ بن سکا۔

مرزائیوں میں گو شاہ جی کے لئے خوش عقیدگی کی بجائے حسد اور تعصب ہے مگر شاہ جی کی تقریر کی مقبولیت سے متاثر ہو کر وہ بھی یہی پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ہمارا امام بڑا فصیح البیان مقرر ہے۔ اور تو اور بعض دوستوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر راقم الحروف کو بھی شوق ہو گیا تھا کہ ان صاحب کی تقریر ایک بار سننی تو چاہیئے۔ قادیان پہنچا تقریر سنی اور اس سے خالی الذہن ہو کر تقریر سنی کہ وہ مرزائی ہیں یا مرزائیوں کے امام ہیں۔ مگر افسوس کہ اس سلسلے میں میرا تاثر اتنا ضعیف اور رکیک ہے کہ اسے بیان کرنا بھی شاید تعصب پر محمول کیا جائے۔ اس واسطے اس سے احتراز کرتا ہوں۔

مرزائی مبلغین اکثر چھپ چھپا کر شاہ جی کی تقریریں سنا کرتے تھے بھلا شاہ جی کی تقریر کوئی سنے اور متاثر نہ ہو یہ تو ناممکن تھا۔ چنانچہ بعض لوگوں میں اس تاثر کے کچھ نہ کچھ باقیات الصالحات اب تک بھی موجود ہیں۔ مرزائیوں میں لکھے پڑھے جاہلوں کی کثرت ہے مگر پھر بھی علم ناپید نہیں راقم الحروف کو حقیقت کے اعتراف میں کبھی ہچکچاہٹ نہیں ہوئی خواہ وہ حقیقت کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو۔ قادیانیوں کے رئیس المبلغین اور استاد المناظرین مولوی اللہ دتہ جالندھری کو راقم انہیں مستثنات میں سے سمجھتا ہے۔ جو اس کم مائیگی کے زمانے میں نادر الوجود ہوتے ہیں اور جہاں تک میری ذاتی رائے کا تعلق ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر مولوی اللہ دتہ نہ ہوتے تو شاید تفسیر صغیر وجود میں آسکتی اور نہ کبیر۔

اسی طرح یہ بھی راقم کی رائے ہے کہ اگر مولوی احمد یار نہ ہوتے تو لاہوری پارٹی کے تفسیری اور تبلیغی

کاموں کی بھی نوعیت یہ نہ ہوتی جواب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری ذاتی آراء میں کچھ مذہبی تعصب کو دخل ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری معلومات ناقص ہوں اور پس پردہ دوسرے کچھ لوگ بھی کام کرنے والے موجود ہوں۔

بہر حال تذکرہ یہ تھا کہ قادیانی گروہ میں مولوی اللہ دتہ جالندھری کا دم غنیمت ہے۔ اللہ دتہ شتر گربہ قسم کا نام ہے۔ اور اگر عربی میں اس کا ترجمہ کیا جائے تو عطاء اللہ بنتا ہے۔ مولوی صاحب کے متعلق اگر حسن ظن سے کام لیا جائے تب بھی یہ بات ان کے طرز عمل سے واضح طور پر نمایاں معلوم ہوتی ہے کہ وہ مرزائیوں کے عطاء اللہ بننا ضرور پسند کرتے ہیں مگر اللہ دتہ کو بدل کر عطاء اللہ بن جانے میں سو قباحتوں کی ایک قباحت قادیانی آمر مطلق کی ناراضی کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اہل علم کی سی راہ نکالی اور اللہ دتہ سے مولانا ابوالعطا جالندھری بن گئے۔ ابوالعطا میں عطاء اللہ سے دور کی نسبت سہی مگر نسبت تو ہے پھر آمر مطلق کو خوش کرنے کا آہنگ بھی اس میں موجود ہے۔ علامہ "طالوت" نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے

اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے گل عطا!!
وہ سمجھے اچھے نام پہ ہوتے ہیں گل عطا
بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است؟
اللہ دیئے بھی بننے لگے ہیں ابوالعطاء

مرزائیوں کے ناموں پر کبھی آپ نے غور فرمایا اکثر و بیشتر اپنے امام کی تقلید میں فاروق احمد، نصیر احمد، فقیر احمد اور داؤد احمد وغیرہ نام رکھتے ہیں۔ اور شاہ جی کے بچوں کا نام بھی آپ نے سنا ہو گا عطاء المنعم، عطاء المحسن، عطاء المومن، عطاء المہیمن اب ذرا اس بات پر غور فرمائیے کہ ذہنی طور پر اگر مولوی اللہ دتہ صاحب مرزا صاحب اور اس کی اولاد سے متاثر ہوتے تو وہ بھی اپنے بچوں کے نام انہیں کے ہم وزن رکھتے مگر وہ چونکہ ذہناً شاہ جی سے متاثر ہیں اس لئے انہوں نے اپنے بچوں کے نام شاہ جی کے بچوں کی ناموں کی تقلید میں عطاء الحبیب وغیرہ رکھے۔

دنیا میں سب سے پیاری چیز اولاد ہوتی ہے اور دین میں سب سے پیاری چیز اپنا مسلک ہوتا ہے۔ کبھی آپ نے یہ نہیں سنا ہو گا کہ کسی اثنا عشری نے اپنے بچے کا نام یزید یا ابن زیاد (یا ہمچوں قسم کا کوئی نام) رکھا ہو۔ ان میں سے اکثر و بیشتر نام غلام علی، یا غلام حسین قسم کے ہوتے ہیں۔ غلام علی سے لے کر ناد علی تک اور غلام حسین سے کلب حسین تک تو نام جائز سمجھے جاتے ہیں۔ مگر یزید و زیاد ہر گز ہر گز گوارا نہیں ہوتے۔ بلکہ اس مادے کے ایسے نام بھی قابل قبول نہیں جو قرن اول میں موجود تھے۔ مثلاً زید، پھر یہ قیاس کچھ اتنا غلط نہیں کہ مولوی ابوالعطاء صاحب اگر ذہناً احمدیت سے متاثر ہوتے تو وہ اپنے بچوں کے نام مقبول احمد، منصور احمد وغیرہ رکھتے جس میں آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام کا سا معاملہ ہوتا کہ نام کے نام اور پروپیگنڈہ کا پروپیگنڈہ مگر انہوں نے نام رکھا عطاء الحبیب اور ہمچوں قسم گو یہ نام بڑا پیارا اور معنوی لحاظ سے بہت خوبصورت ہے مگر آخر عبدالرحمن اور فیروز میں معنوی لحاظ سے کیا بدصورتی ہے۔ بنا بریں اگر میں یہ دعوی

کروں کہ ذہناً مولوی صاحب شاہ جی سے متاثر تھے تو یقیناً یہ بات ناقابل تردید ہے۔ ایک اور بات قابل غور ہے۔ مرزا محمود کی بیماری کی خبریں آئے دن اخباروں میں آیا کرتی تھیں۔ مگر یہ کبھی سنا آپ نے کہ مولانا محمد علی جالندھری انکی عیادت کو تشریف لے گئے ہوں۔ ادھر شاہ جی کی علالت کی خبریں مشہور ہوئیں ادھر مولوی ابوالعطاء جالندھری شاہ جی کی خدمت میں پہنچ گئے۔[1]

یہ اگر ذہنی تاثر کی شہادت نہیں تو اور کیا ہے؟

اس کے بعد انہیں اپنی چوری چھپانے کے لئے اگرچہ بہت سے پاپڑ بیلنے پڑے اور بہت سی ایسی باتیں لکھنی پڑیں جو ان کے علمی پایہ سے بہت فروتر تھیں اور مرزائیوں کی عام سطح پر اترنا پڑا۔

لیکن اگر وہ یہ کرتے تو اپنی اس خواہش کو کس طرح پورا کرتے جو ان کے دل میں شاہ جی سے آخری ملاقات کی صورت میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ بہر حال ہمارے نزدیک جہاں یہ باتیں ان کے ذہنی تاثر کی دلیل ہیں وہاں ہم انہیں انکی مصلحت بینی اور بہ لطائف الحیل مخلصی پر بھی داد دیتے ہیں۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ بخاری کی عہد آفریں شخصیت سے صرف دوست ہی متاثر نہیں بلکہ دشمن بھی ان سے کسی نہ کسی طرح متاثر ضرور تھے اور اگر کوئی نفسیات کا ماہر بخاری کے ہم عصر اکابر و اصاغر کی حرکات کا تجزیہ کرے خصوصاً خطیبانِ وقت کے اعمال کا جائزہ لے تو اس تجزیئے اور جائزے میں سے بخاری کی عہد آفریں شخصیت نصف النہار کے آفتاب کی طرح ابھر کر سامنے آجائے گی۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
شاید کہ تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

◇

۱۔ ابوالعطاء جب شاہ جی کی تیمارداری کے لئے ان کے گھر حاضر ہوا تو اس وقت شاہ جی کے جذبات دیدنی تھے۔ انہوں نے سنت پر عمل کرتے ہوئے مہمان کا پورا اکرام کیا مگر اس کے جانے کے بعد جب گھر میں اہلیہ اور بچوں کے پاس بیٹھے تو بار بار استغفر اللہ پڑھتے اور اہلیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا "بڑھیو! میں بے حد پریشان ہوں میرے ایمان میں کوئی کمزوری تو واقع نہیں ہو گئی آخر ایک مرزائی میری عیادت کو کیوں چلا آیا۔ اللہ اللہ! یہ تھا شاہ جی کا تقویٰ اور خود احتسابی۔ (مدیر)